سید منظور الحسن

وہ نکہتیں نہیں باقی تو لو ہوا ہوئے ہم

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا، نہ رہا

www.almawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جناب عبدالستار غوری اب ہم میں نہیں رہے۔ اُن کے جانے سے بائیبل پر علمی کام کا ایک درخشاں باب بند ہو گیا۔ اِس مجموعۂ صحائف پر اُنھوں نے روایتی اسلوبِ تحقیق سے مختلف انداز اختیار کیا۔ تحریف و تناقض کو تلاش کرنے کے بجاے وہ مقامات دریافت کیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مؤید اور مصدق ہو سکتے تھے۔ غوری صاحب نے عملی زندگی کی ابتدا تو تعلیم و تدریس سے کی اور کچھ وقت نصابی کتب کی تدوین میں بھی لگایا، مگر جلد ہی صحف سماوی پر تحقیقی کام کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اِس میدان میں اُنھوں نے ایک منفرد راہ منتخب کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی تلاش کی راہ۔ یہ راہ ملتے ہی اُنھیں گویا منزل مل گئی۔ اُنھوں نے اِسے خوش نصیبی تصور کیا اور فکر و عمل اور قلب و نظر کے تمام اسباب کو اِس کی جستجو میں صرف کرنے کا فیصلہ کر لیا:

عالم بھی تھا نگاہ میں، لیکن زہے نصیب
اب اُن کی نذر کر دیا ذوقِ نظر تمام

برسوں کی محنت کے بعد بالآخر ''Muhammad Foretold in The Bible by Name'' تصنیف کی اور یہ تحقیق پیش کی کہ ''کتابِ مقدس'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کے اسمِ مبارک کی تصریح کے ساتھ مذکور ہے۔ ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں'' کے زیرعنوان ایک اور کتاب بھی تحریر کی جس میں اسی مقدمے کو بعض دوسرے پہلوؤں سے نمایاں کیا۔ نصف صدی پر محیط اُن کی محنت، بلا شبہ لائق تعریف

تھی۔ چنانچہ علمی حلقوں میں ان کے کام کی قدر افزائی بھی ہوئی اور ان کی محنت کو سراہا بھی گیا، مگر انھوں نے ہمیشہ بے نیازی کا اظہار کیا اور اپنے مداحوں کو یہی پیغام دیا کہ:

کس لیے چاہوں؟ یہ دنیا کی ستایش کیا ہے!
منتظر ہوں تو فقط اُن کی پذیرائی کا

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مساعی کو قبول فرمائے اور اِن مخلصانہ کاوشوں کو اُن کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

غوری صاحب ۱۹۹۶ء میں ادارۂ علم و تحقیق ''المورد'' سے منسلک ہوئے۔ وہ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ ان کے افکار ادارے کے افکار سے بہت مختلف تھے۔ اس کے باوجود ادارے نے اُنھیں پورے اعزاز کے ساتھ وابستگی کی دعوت دی اور اُنھوں نے اسے بسر وچشم قبول کیا۔ ایسی فضا میں جہاں فکری اختلاف نفرت، تکفیر اور قتل و غارت سے عبارت ہو، وہاں یہ واقعہ کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ ''المورد'' سے ان کی رفاقت کا سفر تقریباً بیس برس تک جاری رہ کر موت کی منزل پر مکمل ہوا۔ اس سفر کو خوش گوار اور نتیجہ خیز بنانے میں استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے شخصی رویے کو بھی بہت دخل تھا۔ وہ اس وقت ادارے کے صدر، فیلو اور استاد تھے۔ غوری صاحب کے لیے اُن کا احترام غیر معمولی تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اُن کے ادب میں کھڑے ہو جاتے، اُنھیں نشست پیش کرتے، اُن کے پاس جا کر ملتے، اُن کے لیکچروں میں سامع کے طور پر شریک ہوتے اور اپنے شاگردوں اور احباب کو اُن کے اکرام کی تلقین کرتے۔ یہ طرزِ عمل استاذ گرامی تک محدود نہیں تھا، باقی لوگ بھی غوری صاحب کا ایسے ہی احترام کرتے تھے۔ اُن میں عمروں کا فرق بھی تھا اور مرتبوں اور منصبوں کا بھی، مگر غوری صاحب کی محبت میں سبھی یکساں گرفتار تھے۔ یعنی معاملہ وہی تھا کہ:

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اِس احترام اور محبت کا صرف ایک سبب تھا اور وہ تھا غوری صاحب کا اخلاص۔ کسی شخص کے خلوص کا کمال اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ اُس کے گرد و پیش کے لوگ اُسے باپ کے درجے پر سمجھنے لگیں۔ ''المورد'' کے اکثر لوگوں کے لیے غوری صاحب کا یہی مقام تھا۔ اگر جیب خالی ہے، راشن ختم ہو گیا ہے، کتابیں لینی ہیں، فیس جمع کرانی ہے، دوا کی ضرورت ہے تو وہ بلا جھجک اُن کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ حسن طلب کا سلسلہ یہیں پر نہیں رکتا تھا، اِس آگے بڑھ کر وہ نجی، نفسیاتی اور خانگی مسائل میں بھی اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ غوری صاحب اُن کی مدد بھی کرتے تھے اور اُنھیں

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

رہنمائی بھی دیتے تھے، مگر اِس کے ساتھ اُن کی یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ رجوع کرنے والے کا رخ اللہ اور آخرت کی طرف مڑ جائے۔ اِس مقصد کے لیے وہ وعظ کہنے کے بجاے دعا کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ خود بھی ہاتھ اٹھا لیتے تھے اور آنے والے کو بھی یہی نصیحت کرتے تھے۔ اہل ''المورد'' کے اس رجوع عام نے اُن کے حجرے کو ایک بیٹھک، ایک گھر، ایک مکتب اور ایک خانقاہ بنا دیا تھا جس میں ایک غم گسار دوست، ایک شفیق استاد، ایک مہربان باپ اور ایک خدارسیدہ بزرگ ہر وقت اُن کا منتظر نظر آتا تھا۔ ہر آنے والے کے لیے اُس کے خریطے سے بس یہی ایک نسخہ نکلتا تھا کہ:

نہ سنو ، گر برا کہے کوئی
نہ کہو، گر برا کرے کوئی
روک لو ، گر غلط چلے کوئی
بخش دو ، گر خطا کرے کوئی

اس نسخۂ کیمیا پر سب سے بڑھ کر وہ خود عامل تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب کی بے تدبیری اور کج ادائی سے اُنھیں یہ تاثر ہو گیا کہ میں نے اُن کے وقار کو مجروح کیا ہے۔ اُنھوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا۔ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، نہ سوال کیا، نہ جرح کی۔ بس اتنا کہا کہ میں تو تمھیں اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ میں نے پاؤں کو چھوا اور ہاتھ جوڑ کر اپنی وضاحت پیش کی۔ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے کہ جس نے بھی زیادتی کی ہے، میں نے اُسے معاف کیا۔ پھر گلے لگا کر ایسے رخصت کیا جیسے کہہ رہے ہوں کہ:

یونہی آنکھوں میں آ گئے آنسو
جایئے آپ ، کوئی بات نہیں!

دوبارہ ملے تو یوں لگا کہ جیسے واقعی کوئی بات نہیں تھی۔ چنانچہ اس واقعے کے کچھ دن بعد جب میں نے یہ درخواست کی کہ اپنے عزیز دوست اور عربی زبان کے جلیل القدر استاذ پروفیسر خورشید عالم صاحب سے عربی پڑھانے کی سفارش کر دیجیے تو اُنھوں نے نہ صرف سفارش کی، بلکہ پرزور اصرار بھی کیا۔ استاذِ مکرم نے کمالِ محبت سے اُن کی سفارش قبول کی اور پوری شفقت اور دل نوازی کے ساتھ اپنی شاگردی سے سرفراز کیا۔

جن لوگوں نے غوری صاحب کو آخری زمانے میں دیکھا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ جب استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی ملک سے باہر چلے گئے اور باقی رفقا بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو غوری صاحب بہت اداس رہنے لگے تھے۔ اب ''المورد'' اُنھیں ایک ویرانہ دکھائی دیتا تھا۔ آنا جانا بہت کم کر دیا تھا، مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

کبھی اس خرابے میں آ جایا کرتے تھے۔ جب بھی آتے تو اُن جگہوں کو ڈھونڈنے لگتے جہاں دوستوں کے ہمراہ وقتاً فوقتاً بیٹھا کرتے تھے اور پھر اُس مقام کو بھی تلاش کرتے جہاں شب و روز قیام رہتا تھا۔ اِس کیفیت میں اکثر یادوں کا سیلاب امڈ آتا جو اِس دیار کے مٹے ہوئے آثار کو نمایاں کر دیتا۔ بہت بے چین ہو جاتے اور عالمِ وارفتگی میں اِن آثار سے پوچھنے لگ جاتے کہ:

و ہ جو لوگ اہلِ کمال تھے، وہ کہاں گئے؟
وہ جو آپ اپنی مثال تھے، وہ کہاں گئے؟
مرے دل میں رہ گئی صرف حیرتِ آئینہ
وہ جو نقش تھے، خد و خال تھے، وہ کہاں گئے؟
سرِ جاں یہ کیوں فقط ایک شام ٹھہر گئی؟
شب و روز تھے، مہ و سال تھے، وہ کہاں گئے؟

جب کچھ جواب نہ ملتا تو رخ پھیر کر کہتے کہ اِن اینٹ پتھروں سے میں کیا بات کروں، میں تو ان کی زبان ہی نہیں سمجھتا!

عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا فَمُقَامُهَا ... بِمِنىً تَأَبَّدَ غَوْلُهَا فَرِجَامُهَا
وَجَلَا السُّيُوْلُ عَنِ الطُّلُوْلِ كَأَنَّهَا ... زُبُرٌ تُجِدُّ مُتُوْنَهَا أَقْلَامُهَا
فَوَقَفْتُ أَسْأَلُهَا وَكَيْفَ سُؤَالُنَا ... صُمًّا خَوَالِدَ مَا يَبِيْنُ كَلَامُهَا

''مقام منیٰ کے دیار، جہاں چند روزہ قیام رہا اور جہاں طویل قیام رہا، سب مٹ مٹا گئے اور کوہِ 'غول' اور کوہِ 'رجام' کے ڈیرے اجاڑ ہو گئے۔ اور پانی کے دھاروں نے گھروں کے بچے کھچے نشانات کو یوں نکھار دیا ہے، گویا وہ کتابیں ہیں جن کی عبارتوں کو قلم از سرِ نو روشن کر رہے ہیں۔ سو میں کھڑا ہو کر ان آثار سے سوال کرنے لگا، مگر بھلا ان ٹھوس اٹل چٹانوں سے ہماری پوچھ گچھ کیا معنی رکھتی ہے، جن کا کلام سمجھ میں نہیں آ سکتا۔''

''المورد'' کے چمن زار کی خوشبوؤں کی طلب غوری صاحب کو بہت دور سے کھینچ کے لائی تھی۔ جب یہ خوشبوئیں باقی نہیں رہیں تو وہ کچھ دیر تو ان کو ڈھونڈتے رہے اور جب نہ ملیں تو یہ کہہ کر ہوا ہو گئے کہ:

چمن میں کھینچ کے لائی تھی جستجو جن کی
وہ نکہتیں نہیں باقی تو لو ہوا ہوئے ہم!

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org